اسباب اور مختلف عوامل کی وجہ سے مسلم پرسنل لا سے متعلق حکومت کی یقین دہانیوں کی ضمانت کی تحریک تشدد اور خود سوزی جیسے احتجاجی مظاہروں کے ساتھ نہیں چلا سکتے، اس لئے اس تحریک کو پُرامن طور پر ایک طویل مدتی تحریک کی صورت میں ہی اٹھانا پڑے گا، اور اس کے لئے وہ ہر ممکن طریقے کام میں لانے پڑیں گے جو کسی پُرامن تحریک کو مؤثر بنانے کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس طرح کی تحریک کے لیے جو منظم قوت، اور ہمہ جہتی اتفاق و اشتراک ضروری ہے۔ وہ کہاں سے آئے۔

ہندوستانی مسلمان، اپنے مذہب اور اس کے تحفظ کے بارے میں جتنے شدید جذبات رکھتے ہیں، اور مسلم عوام اس سلسلے میں جتنے حساس اور پُرجوش ہیں اس کے پیش نظر یہ تو بہت آسان اور ممکن ہے کہ ایسے جذباتی واقعات پر جیسے کہ سپریم کورٹ کے فیصلے اور قرآن کے خلاف ایجیٹیشن کی صورت میں پیش آئے مسلم حلقوں میں ایک ہمہ گیر ہیجانی صورت پیدا ہو جائے اور وقتی طور پر جوش وخروش، احتجاج، اور ناگواری کے مظاہروں کی ایسی ہی صورت پیش آجائے جس کا نظارہ گذشتہ مہینوں میں دیکھنے کو ملا لیکن تحریک کو تحریک کی طرح چلانا، اور ایک طویل مدت تک اس کی قوت، اور تسلسل کو باقی رکھنا، بالکل دوسری بات ہے، جس کے لئے ــــ ہمارا خیال ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ اجتماعی صورت حال میں کامیابی کا تصور محال ہی ہے کیونکہ اس وقت نہ تو قومی سطح پر کوئی منظم جماعتی قوت موجود ہے، نہ ہی کوئی ایسی جماعت موجود ہے جو اس نازک ذمہ داری کو اٹھائے تو اس کے نشیب و فراز اور نازک مرحلوں کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ جس افسوسناک حالت کا مسلمانانِ ہند کو سامنا ہے، اس میں جذباتیت کا عنصر، باقی سبھی عناصر پر غالب آجاتا ہے، اور یہ دیکھ کر اور زیادہ تشویش

ہوتی ہے کہ ہر ایسے موقع پر جبکہ جوش سے زیادہ ہوش، اور ہنگامے اور ہیجان کے بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، مسلم عوام اور مسلم قائدین کا ذہن یکساں طور پر جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے معاملات نہ صرف خراب ہو جاتے ہیں اور فائدوں کے بجائے نقصان کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کے خلاف پٹیشن کی شرارت انگیز حرکت پر اس ہیجان اور ان جذباتی مظاہروں کی ذرا بھی ضرورت نہ تھی، جو مختلف مقامات پر کیے گئے۔ کیونکہ اس شرارت کا اصل مقصد ہی مسلمانوں کو صدمہ اور ہیجان کی کیفیتوں سے دوچار کرنا تھا۔ اس موقع پر اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لیا جاتا تو یہ حقیقت معمولی ذہن و دماغ کے حامل کسی فرد کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ اس کے قومی اور بین الاقوامی اثرات کے پیش نظر حکومت اور ہائی کورٹ دونوں قرآن کی اشاعت پر پابندی کے عقل و دانش سے بعید قدم کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں، اور اگر کرتیں تو دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکتی تھیں لیکن ہوا یہ کہ مسلم خواص و عوام ایک ہی جذباتی لہر میں بہتے چلے گئے، اور کئی جگہ ہلاکتوں اور ہنگاموں تک کی نوبت آگئی۔ یہاں سپریم کورٹ کے نان نفقہ کے مقدمہ کے سلسلے میں، قیادت کے اس پہلو پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، جو مقدمہ کی تیاری، بحث اور پیروی کے معاملے میں سامنے آیا۔ اور جس کی وجہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ سے متعلق مختلف جماعتوں کی غفلت اور بے پروائیوں کے سلسلے میں کئی اختلافی بیانات تک نوبت پہونچی، ان باتوں سے بہرحال ایک بات تو ظاہر ہی ہو جاتی ہے کہ اونچے درجہ کی مسلم قیادت اس درجہ متعدد اور سنگین خطرات کا سامنا کرنے پر اس حد تک تیار نہیں ہے جتنا کہ اسے ہونا چاہیے۔

موت العالِم موت العالَم

(از: جناب محمد اسلم صاحب)

برِ عظیم پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے علمی، ادبی اور دینی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ علم و حکمت کا وہ آفتاب جو گذشتہ نصف صدی سے برِ عظیم کو منور کر رہا تھا بالآخر ۳ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ / ۲۴ مئی ۱۹۸۵ء کو کراچی کے افق پر غروب ہو گیا یعنی حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمۃ اللہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

مولانا مرحوم کی علالت کا سلسلہ طویل تھا۔ ان کی علالت کی خبریں پاکستان میں ان کے اعزہ و اقارب کو پریشان کر رہی تھیں۔ چنانچہ ان کی صاحبزادی مسعودہ بی کراچی سے علی گڑھ پہنچیں اور چند روز میں ضروری انتظامات مکمل کر کے انھیں کراچی لے آئیں۔ وہاں کے اطباء نے بتایا کہ ان کا پتہ سرطان سے متاثر ہو چکا ہے۔ اس وقت جسمانی کمزوری اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ مرحوم آپریشن کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اور یوں بھی آپریشن مرضِ سرطان کا کوئی مؤثر علاج نہیں ہے۔ راقم الحروف وسط اپریل میں ان کی عیادت کے لئے کراچی گیا اور چھ روز ان کے پاس ٹھہرا۔ واپسی کے وقت انھوں نے مجھے گلے لگایا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ ان کا جسم محض ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ بار بار دل میں یہی خیال آ رہا تھا کہ یہ کہیں ان کے ساتھ میری آخری ملاقات نہ ہو۔ چنانچہ یہی ہوا۔